عرب ممالک کا حالیہ بحران کےاسباب و محرکات اور اسلامی دنیا پر اس کے اثرات

Current Crises of Arab Countries, their Causes and Effects on Islamic World

Qaviullah
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad.
qaviullahkhan1@gmail.com
Dr. Sana Ayesha Khan
Lecturer, Arabic Department, NUML, Islamabad
drsanaaqeel@gmail.com

ABSTRACT

This study aims to highlight the grounds, causes and effects of the current crises of Arab countries and their role around the world. Numerous Islamic countries are being familiarized thoroughly with their forms of governments, laws and customs. Similarly great rulers are also unveiled in this research with the help of qualitative research. It was stately investigated how the Islamic movements in Arab countries played their role in proliferation of terrorism, political gains and personal developments.

Keywords: Crises, Arab countries, terrorism, developments.

عرب بہا ر جسے انگریزی زبان میں عرب سپرنگ(Arab Spring) کا نام دیا گیا، مسلمانوں کے لیے مشکلات کا سبب بنی ۔ ۱۷- ۱۹۱٦میں بھی ایک عرب

سپرنگ کا آغازہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ سے امت مسلمہ کو ہاتھ دھونا پڑا اور اسی عرب سپرنگ کے نتیجے میں پورا فلسطین بیت المقدس ، بلادشام اور شمالی افریقہ سمیت اسلام دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا۔

اسی عرب سپرنگ کوکرنل لارنس نے اپنی کتاب (Revolt In The Desert) "صحراء میں بغاوت"سے تعبیر کیاہے ۔اسی عرب سپرنگ کی کوکھ سے جس خزاں نے جنم دیا تھا اس نے اسلامی دنیا کی تاریخ پلٹ دی اللہ تعالیٰ اور اس کےرسولﷺ کے بتائےہوئے نظامِ خلافت کو پہلی مرتبہ برطانوی نگرانی میں ختم کیا گیا ۔اسلامی دنیا کو قومیت اور جغرافیہ کے نام پر تقسیم کیاگیا اور پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ان پر ایسے حکمران مسلط کیے گئے جنہوں نے مغرب کی پالیسیوں پر من وعن عمل کرنا تھا اور مغر ب کے ایجنڈے کو پایہ تکمیل تک پہنچاناتھا۔اسی عرب

سپرنگ کے نتیجے میں اسرائیل جیسی ناجائز ریاست نے جنم لیا ۔ اسی عرب بہار کے نتیجے میں ۱۹۱۸ ء میں معاہدہ

میندرس عمل میں آیاتھا جس کے تحت عثمانوی فوج نے اپنے تما م عرب علاقے انگریز اور اس کے اتحادی عربوں

کے حوالے کر دینے تھے۔

اس معاہدے سے ایک سال قبل ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلیریشن(Balfour Declaration) منظور کیا گیا تھا۔جس کے تحت مقبوضہ فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا ناجائز قیام عمل میں لانا تھا اور صیہونیت نے برطانیہ سے یہی بڑا کام لینا تھا ۔اس کے بعد چونکہ عالمی ریاستی اختیار لندن سے واشنگٹن منتقل کر دیناتھا،لہذا اُسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے امریکہ نے دوسری عالمی جنگ کا الاؤ بھڑکایاجس کےدرج ذیل چند بڑے مقاصد تھے:

۱۔ امریکہ کو برطانیہ کی جگہ عالمی ریاست کا درجہ دیاجائے۔

۲۔ دنیا پر حکمرانی کی راہ ہموار کرنے کے لیے اقوام متحدہ جیسا ادارہ تشکیل دیاجائے۔

۳۔ اسرائیل کی ناجائز ریاست کے قیام کا علان کر کے اسی اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے منظور کروا کر فلسطینیوں کو ان کے علاقوں سے بے دخل کیا جائے۔

اس ساری صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہو تا ہے کہ گزشتہ صدی کے پہلے نصف میں یہ تمام کام انتہائی مکاری سے انجام دیے گئے۔

پچھلی صدی کی ابتدا ء کی طرح اکیسویں صدی کی ابتداء میں بھی ایک اور"عرب بہا ر " نے انگڑائی لی ۔ ۱۸ دسمبر ۲۰۱۰ء میں تیونس میں شروع ہونے والی حکومت مخالف تحریک ١٤جنوری ۲۰۱۱ ءکو ہی پایہ تکمیل تک

پہنچ گئی اور زین العابدین بن علی کی۲٤ سالہ حکومت،(۷ نومبر ۱۹۸۷ سے۱٤جنوری ۲۰۱۱ء) اپنے اختتام کو پہنچی اور زین العابدین خود سعودی عرب میں پناہ لی۔دیکھتے ہی دیکھتےاس تحریک نے مصر، لیبیا ،شام ، بحرین سمیت دیگر عرب ملکوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیااور بہت کم مدت کے اندر مصر اور لیبیا کے حکمرانوں کو اپنی حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مصر میں یہ تحریک ۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء سے شروع ہوئی اور ۱۱ فروری ۲۰۱۱ء کو حسنی مبارک (جس کا دور اقتدار ۱۹۸۱ء سے ۲۰۱۱ء ، جو کہ تقریباَ ۳۰ سال بنتے ہیں) کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ اسی طرح لیبیا میں بھی یہ تحریک ۱۷ فروری ۲۰۱۱ء سے شروع ہوئی اور ۲۳ اگست ۲۰۱۱ء کو معمر قذافی کی موت کے ساتھ ہی اپنے انجام کو پہنچی اور (۱۹٦۹ء سے ۲۳ اگست ۲۰۱۱ء) تقریباَ ٤۲ سالہ اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ شام میں یہ تحریک لاکھوں لوگوں کی زندگیاں چھین چکی ہے لیکن ابھی بھی وہ مقاصد حاصل نہیں کر پائی جس کے لیے تحریک وجود میں آئی تھی۔مذہب کے نام پر مسلمان، مسلمان کا قتل عام کر رہا ہے۔ عرب ممالک کی حالیہ صورت حال کسی بھی طرح مسلمانوں کے لیے خوش آئند نہیں ہے۔

بحران کے اسباب

عرب ممالک میں اس بحران کے اسباب درج ذیل ہیں:

1. آمریت

آمریت ایسا طرزحکومت ہے جس میں فرد واحد تمام اختیارات کا مالک ہوتا ہے، جسے آمر یا ڈکٹیٹر (Dictator) کا نام دیا جاتا ہے۔
ڈکٹیٹر لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب مطلق العنان اختیارات کا مالک شخص، آمریت میں فرد واحد تما م احکام جاری کرتا ہے۔
وہ قانون بناتا نہیں بلکہ اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو زندگی کا پروانہ تھما دے۔ آمریت جمہوری نظام کی ضد ہے۔ اس میں عوام کے بنیادی حقوق یعنی تحریر و تقریر کی آزادی، مساوات، قانون کی حاکمیت، مذہب کی آزادی وغیرہ سب کچھ آمر کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ جس کو چاہے حقوق دے اور جس سے چاہے چھین لے۔
یہ ضروری نہیں کہ آمرانہ حکومت ہمیشہ عوامی خواہشات کے برعکس کام کرے بلکہ آمر یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اسے کس طرح سے اپنے اقتدار کو قائم رکھنا ہیے۔ اس کے لیے وہ قوقتاً فوقتاً تشدد کے ساتھ ساتھ ایسی مراعات بھی رعایا کو دیتا رہتا ہے جس سے عوام کے دل میں آمر کے لیے نرمی کا پہلو بھی موجود رہتا ہے او ر وہ آمر کو نجات دہندہ سمجھنے لگتے ہیں بعض اوقات آمر پروپیگنڈہ کے ذریعے عوام میں نجات دہندہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ ہٹلر نے جرمنی میں اپنے وزیر گو بٹلز کے پروپیگنڈے سے جرمن عوام کے دلوں میں گھر کرلیا تھا۔ اٹلی میں مسولینی

(Massulin)اوربرطانیہ میں کروم ویل (Cromwell)کی آمریت قائم ہوئی تھی۔

بادشاہت اور آمریت میں بظاہر بہت سی خصوصیات مشترک ہیں، لیکن بادشاہت موروثی طور پر خاندان میں والد سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جبکہ آمریت مختلف طریقوں سے وجود میں آتی ہے۔ کبھی بیٹا باپ کا تخت الٹ دیتاہے تو کبھی ملک کا فوجی سربراہ بھی برسر اقتدار آ سکتا ہے۔ مثلاًپاکستان میں ایوب خان، یحیی اورجنرل ضیاء الحق آمر حکمران گزرے ہیں۔ روس میں لینن، سٹالن اور خروشیف کی آمریت تھی۔ کیوبا میں فیڈل کا سترو(Fidel castro)آمر رہا۔ لیبیا میں معمر قذافی، مصر میں حسنی مبارک، تیونس میں زین العابدین بن علی بھی آمر تھے، شام میں بشارالاسد بھی موروثی آمر ہیں۔ انڈونیشیا میں جنرل سوہار تو بھی آمر تھا۔ الغرض آمریت کبھی موروثی صورت میں بھی ہو سکتی ہے جیسے بشارالاسد کی آمریت موروثی ہے ۔حافظ الاسد کے وفات کے بعد بشارالاسد کو منتقل ہوئی اور کبھی زور بازو سے بھی اقتدار حاصل کیا جا سکتا ہے۔

تیونس میں آمریت

زین العابدین بن علی ۳ستمبر ۱۹۳۶ءکو پیدا ہوئے وہ تیونس کے دوسرے صدر منتخب ہوئے تھے۔ اکتوبر ۱۹۸۷ءکو بورقیبہ (منتخب صدر)نے زین العابدین کو وزیر اعظم بنایا تھا۔ اور ۷نومبر ۱۹۸۷ءکو وہ صدر بن گئے جب ڈاکٹروں نے بورقیبہ کو صدارتی امور کے لیے نا اہل قرار دیا تھا۔[1]

جس دن زین العابدین کو صدارتی اختیار حاصل ہوا اس دن کو تیونس کے تاریخ میں دو ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۔ The Medical Coupdictat

۲۔ Tunisian Revolution

ابتداً زین العابدین نے عوام سے وعدہ کیا کہ وہ بورقیبہ سے زیادہ جمہوری روایات کا خیال رکھیں گے لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے پرنٹ میڈیا کو حکومتی کنٹرول میں لے لیا۔

۱۹۸۸ءکو زین العابدین نے اپنی پارٹی "رولنگ ڈستورین سوشلسٹ پارٹی" کا نام تبدیل کر کے"ڈیمو کریٹک کانسٹیٹیوشنل ریلی"رکھ دیا۔ اور ایک آئینی ترمیم کے ذریعے صدارتی مدت ۳ مرتبہ ۵ سالہ مقرر کر دی۔ بہر حال ۱۹۸۹ء میں انتخابات ہوئے اور زین العابدین کی پارٹی RCDنے قانون ساز اسمبلی کی تمام نشستیں حاصل کر لیں اور زین العابدین کو تیونس کا صدر منتخب کیا گیا اس حال میں کہ اس کا مدمقابل کوئی بھی نہیں تھااور زین العابدین تیونس کے ۱۹۷۲ءکے بعد بلا مقابلہ جیتنے والے پہلے صدر بن گئے تھے۔ زین العابدین نے صدارتی عہدہ سنبھالتے ہی اپنے مخالفین کو انتقام کا نشانہ بنانا شروع کیا ان کے انتقام کا نشانہ زیادہ تر اپوزیشن سیاسی رہنما تھے۔ اور میڈیا پر بھی

پابندی عائد کی کہ کوئی بھی اخبار اور رسالہ شائع ہونے سے پہلے وزارت داخلہ کی اجازت درکار ہو گی۔ وزارت داخلہ اگر مناسب سمجھے گی تو اجازت ہو گی ورنہ نہیں۔[2]

زین العابدین ۱۹۸۷ء سے لے کر ۲۰۱۱ء تک تیونس کے صدر رہے تقریباً ۲٤سال تک اس نے مسلسل حکومت کی ہے۔ اگرچہ زین العابدین فوجی آمر نہیں تھے لیکن اس کے کارنامے فوجی آمر جیسے تھے۔ اپنے مخالفین کو انتقام کا نشانہ بنانا، میڈیا کا کنٹرول حاصل کرنا، اقتدار کو طول دینے کے لیے من پسند ترامیم کرانا اور نام نہاد الیکشن اور ریفرنڈم کرانا، آمر اپنے اقتدارکوطول دینےکےلیےکرتے ہیں، اسی طرح زین العابدین نے بھی کیا۔اور وقت گزرنے کے ساتھ وہ ایک ڈکٹیٹر بن گیا تھا۔ ایک ایسا ڈکٹیٹر جس کو صرف اپنی اقتدار کی فکر تھی۔ یوں وہ عوام کی حمایت سے محروم ہوتا گیا۔ اور بالآخر عوامی غیض و غضب کا نشانہ بن گیا۔

لیبیا کی آمریت

معمر قذافی جنہیں کرنل قذافی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ۱۹٦۹ء سے ۲۰۱۱ء تک یعنی ٤۲سال تک لیبیا کے حکمران رہے۔ ۱۹٦۹ءمیں بادشاہ ادریس تیزی سے غیر مقبول ہو رہا تھا۔ روایتی، علاقائی اور قبائلی تقسیم میں اضافہ، ملکی تیل کے فائدہ اٹھانےاورکرپشن کی وجہ سے عوام میں اپنا اعتماد کھو رہے تھا۔

۱۹٦۹ءکے وسط میں بادشاہ ادریس ترکی اور یونان میں موسم گرما کی چھٹیاں منانے گیا تھا ادھر قذافی کے فوجی افسران نے اس موقع کو غنیمت جانا کہ بادشاہت کے خاتمہ کے لیے بہترین وقت ہے۔ یکم ستمبر ۱۹٦۹ءکو طرابلس اور بن غازی کے ائیر پورٹس، ریڈیو سٹیشن اور سرکاری دفاتر پر فوج نے قبضہ کر لیا اور قذافی نے بن غازی میں بیرکوں پر قبضہ کر لیا۔ ان تمام صورتحال میں کوئی سنجیدہ مزاحمت نہیں ہوئی۔[3]

معمر قذافی نے لیبیا کے عوام سے ریڈیو پر خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ شہنشاہت کا خاتمہ ہو گیا ہے بدعنوان اور کرپٹ حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یوں ملکی کنٹرول معمر قذافی کے ہاتھ آگیا۔ معمر قذافی اپنے ان تمام ٤۲سالہ دور حکومت میں بلاشرکت غیرکے حکمران تھے۔ پورے دور میں ایک بار بھی باقاعدہ الیکشن نہیں ہوئے۔ اور اپنی مرضی کی ترامیم کے ذریعہ اپنی حکومت کو طول دیتے رہے۔ عوام اس آمریت سے تنگ تو تھے لیکن بغاوت کرنے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ بغاوت کا مطلب تھا کہ موت کو گلے لگانا۔ لیکن اقتدار کی اصل طاقت عوام ہی ہے یہ بات کرنل قذافی کو ۲۰۱۱ء کی بغاوت میں یاد آئی ہو گی وگرنہ وہ اس سے بچنے کے لیے عوامی خواہشات کو ضرور مد نظر رکھتے۔

مصر میں آمریت

انور سادات کے قتل کے بعد اس وقت کے نائب صدر حسنی مبارک نے ١٤ اکتوبر ١٩٨١ءمیں صدارت کا عہدہ سنبھال لیا صدر مبارک کے بارے میں بہت کم لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ وہ اتنے عرصے تک برسر اقتدار رہیں گے۔ لیکن انہوں نے سادات کے قتل کا سبب بننے والے اسرائیل کے ساتھ معاہدے کو عالمی سطح پر اپنی صلاحیتیں منوانے کے لیے استعمال کیا۔ یوں وہ مغربی طاقتوں کے منظور نظر بن کر مصر کے مطلق العنان بادشاہ بن گئے۔ انہوں نے اپنے پورے عرصہ اقتدار میں ملک میں ہنگامی حالت کے سہارےحکومت کی جس کے تحت شہری آزادیاں سلب کر لی گئیں اور فوج اور سیکیورٹی اداروں کو وسیع اختیارات حاصل تھے حکومت کا اصرار تھا کہ شدت پسند اسلامی گروپوں کو دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے یہ قوانین ضروری ہیں تاکہ مصر میں سیاحت کی انتہائی اہم صنعت کو بچایا جا سکے۔ (4)

صدر حسنی مبارک کے دور اقتدار میں ملک میں بظاہر استحکام رہا اور معاشی خوشحالی آئی لیکن اندرون ملک بڑھتی ہوئی بے چینی علاقائی سیاست میں ان کی گھٹتی ہوئی اہمیت اور بگڑتی صحت کے ساتھ ساتھ ان کے بعد جانشینی کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوالات نے مصری عوام میں مختلف شبہات کو جنم دیا۔ تیونس میں انقلاب کے بعد جنوری ٢٠١١ء میں مصری عوام میں بیداری کے ایک لہر نے جنم لیا۔ اور عوام حسنی مبارک کے خلاف سڑکوں پر نکل آئی۔ قاہرہ کا تحریر سکوائر جمہوریت پسند لوگوں کا ٹھکانہ بن گیا۔ صدر کی جانب سے عوام کو خوش کرنے کے بہت سے اقدامات اٹھائے گئے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اور ١٨ دنوں کی جدوجہد کے بعد بالآخر مجبور صدر مبارک کو مستعفی ہونا پڑا۔ (5)

شام میں آمریت

١٨ نومبر ١٩٧٠ء کو حافظ الاسد مصر کے صدر بن گئے۔ ١٩٧٣ءمیں شام نے مصر کے ساتھ مل کر اسرائیل کے خلاف جنگ کی۔ ١٩٧٦ء میں شامی افواج لبنانی حکومت کی درخواست پر لبنان میں داخل ہو گئیں اور لبنان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کو روکنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ١٠جون ٢٠٠٠ء کو حافظ الاسد کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا بشارالاسد ایک ایسے الیکشن کے ذریعے سے ملک کا صدر بن گیا جس میں اس کا کوئی مد مقابل تھا ہی نہ تھا۔(6)

بشار الاسد مسلسل ١٤ سال سے شام کے صدر ہیں اگرچہ"عرب بحران" کی وجہ سے اب بھی بہت ساری مشکلات ہیں۔ ٢٦ جنوری ٢٠١١ء کو ایک پولیس آفیسر نے لوگوں کے سامنے ایک آدمی پر حملہ کر دیا تھا اس کے بعد اس آدمی کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی تھی۔ یہاں سے لوگوں نے اس شخص کی رہائی کے لیے مظاہرے کرنا شروع کر دیے۔ ٥ مارچ کو سیکیورٹی فورسز نے ١٥ بچوں کو حکومت مخالف نعرے لگانے پر گرفتار کر لیا تھا۔ جس کے

نتیجے میں پورے ملک میں مظاہرے پھوٹ پڑے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مظاہرے شدید ہوتے چلے گئے اور اب تک لاکھوں لوگ قتل ہو چکے ہیں اور تقریبا شام کی نصف آبادی ہجرت کر چکی ہے۔ اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔[7]

۲۔ بے روزگاری میں اضافہ

بے روزگاری کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ بغیر کام کے ہوں اور کام کرنے کا کوئی مناسب موقع میسر نہ ہو، اور عملی طور پر کام کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ کسی بھی ملک کے زوال کے دور میں یا جنگی حالات میں اس ملک کی بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر جلد قابو نہ پایا جائے تو پھر صورت حال مزید خراب ہو سکتی ہے۔

بسا اوقات کچھ ملکوں میں نا اہل طرز حکمرانی کے بدولت بھی بے روزگای رمیں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جس کی بدولت عوام میں بے چینی پھیلتی ہے اور عوام ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ جیسا کہ حالیہ عرب بحران میں یہ منظر دیکھنے کو ملا۔ انٹرنیشنل لیبر ادارے کے تیار کردہ تحقیقات کے مطابق پوری دنیا میں ۱۹۷ملین سے زیادہ لوگ بغیر کام کے تھے۔یہ تحقیقاتی رپورٹ ۲۰۱۲ء میں شائع کی گئی تھی۔[8]

ہر حکمران کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے رعایا کے حقوق کا خیال رکھے۔ اور ان کی استعداد سے فائدہ اٹھایا جائے جب پڑھے لکھے لوگوں کو ان کے استعداد کے مطابق کام نہیں ملتا تو ان لوگوں میں مایوسی پھیلتی ہے۔ جو کہ ملک و ملت دونوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ حالیہ عرب بحران کے بنیادی اسباب میں ایک سبب بڑھتی ہوئی بے روزگاری تھی۔

تیونس میں بے روزگاری میں اضافہ

غربت اور بے روزگاری ایک جیسا مسئلہ ہے ترقی کرنے والے ممالک کے لیے اور تیونس بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ تاہم بے روزگاری کی حالت تیونس میں اس شدید حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے نوجوانوں میں انقلاب کا جوش پیدا ہوا اور بے روزگاری انقلاب کے لیے ایندھن کا کام کر رہی تھی۔ تاکہ انقلاب کی آگ کو ہوا دی جا سکے۔ ۲۰۱۰ء میں بے روزگاری اس عروج تک پہنچ چکی تھی کہ زیادہ تر نوجوان بے روزگار تھے۔ایک کروڑ میں سے ۸۰,۰۰۰ لوگ بے روزگار تھے۔ اور یہ سلسلہ مزید بڑھ رہا تھا، اور زیادہ تر

بے روزگار وہ لوگ کالجز اور جامعات کے فارغ التحصیل تھے۔ مطلب یہ کہ پڑھے لکھے لوگ زیادہ تر بے روزگار تھے۔ ان لوگوں میں بہت صلاحیت تھی۔ لیکن ملک کی معاشی حالت بہت ابتر تھی، ادارے تباہ ہو چکے تھے، روزگار کے مواقع مسدود ہوتے جا رہے تھے،اور عوام میں بے چینی پھیل رہی تھی اور حکمرانوں کے خلاف رد عمل بڑھ رہا تھا۔ امریکی یونیورسٹی جان ہاپکنز کے پروفیسر ٹونی تسائی اپنی کتاب " Understanding Unemployment in Tunisia."میں لکھتے ہیں کہ:۔

"بے روزگاری کی حالت تیونس میں اس شدید حد تک پہنچ چکی تھی کہ جس سے نوجوانوں میں انقلاب لانے کا جوش پیدا ہوا۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری انقلاب کی آگ کے لیے تیل کا کردار ادا کر رہی تھی۔ کچھ بین الاقوامی معاشی حالات اور ملکی اداروں کی تباہ حالی سے تیونس کی معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ ۲۰۱۰ءمیں بے روزگاری میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ سب سے زیادہ متاثر ہونے والے وہ ملک کے نوجوان تھے۔ ہر ایک کروڑ میں سے آٹھ لاکھ افراد بے روزگار تھے۔ جن میں بڑی تعداد پڑھے لکھے نوجوانوں کی تھی۔ سادہ الفاظ میں یہ کہ یہ صورت حال تیونسی عوام کے لیے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں تھی۔ مزید یہ کہ ان آٹھ لاکھ افراد میں سے دو لاکھ افراد کے پاس یونیورسٹیوں کی ڈگریاں تھیں۔ اتنی بڑی تعداد میں بے روزگار نوجوان اپنے مستقبل کو تاریک دیکھ رہے تھے۔"(9)

مصر کی بے روزگاری میں اضافہ

مصری صدر حسنی مبارک کے دور میں مصر میں یوں تو بہت سارے مسائل ایسے تھے جن پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ جیسا کہ تعلیمی اداروں کا فقدان، مذہبی انتہا پسندی، غربت وغیرہ لیکن بے روزگاری ایک ایسا مسئلہ تھا کہ جس پر قابو پانے کے وعدے کیے گئے لیکن اس پر قابو نہیں پایا جا سکا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ مصری انقلاب کے بنیادی اسباب میں سےایک سبب مصر کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری تھی۔ مصر کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری پر"پیٹرسن انسٹیٹیوٹ فار انٹرنیشنل اکنامکس" نے ایک تحقیقاتی رپورٹ جاری کی تھی جس کو مارکیٹ پلیس نے شائع کیا تھا۔ اس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ:

" مصر میں ایک بنیادی مسئلہ بے روزگاری ہے۔ بے روزگاری آبادیاتی نوجوانوں کو تنگی کی طرف لے جارہی ہے۔ ہر سال چار

فیصد نئے لوگوں کی افرادی قوت میں داخل ہونے کی وجہ سے مصر میں ایک سال سے بے روزگاری کی شرح میں تقریباً ۱۰ گنا اضافہ ہوا ہے ۔"[10]

مذکورہ بالا رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں حسنی مبارک کے دور میں بے روزگاری بڑھتی جا رہی تھی اور اس سے سب سے زیادہ جو لوگ متاثر ہو رہے تھے وہ پڑھے لکھے لوگ تھے ان لوگوں کے پاس یونیورسٹیوں کے ڈگریاں تو تھیں لیکن ان لوگوں کے لیے کوئی کام موجود نہیں تھااور یہ لوگ بڑی تعداد میں تھے۔

اگر حسنی مبارک کے آخری ادوار پر نظر دوڑائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں بے روزگاری بڑھ رہی تھی اور حکومتی اقدامات جو کہ بے روزگاری کی روک تھام کے لیے اٹھائے گئے تھے، نہ ہونے کے برابر دکھائی دے رہے تھے ۔ عوام میں مایوسی پھیل رہی تھی۔نوجوان بے روزگار تھے۔ اور بے روزگاری میں مسلسل اضافہ دیکھنے کو ملا ہے۔

اسی سلسلے میں مصر کی "نیشنل ریسرچ سنٹر"نے ۲۰۱۰ء میں ایک تحقیقاتی رپورٹ شائع کی تھی جس میں ۲۰۰۰ء سے لیکر ۲۰۱۰ء تک بے روزگاری کی شرح کو واضح کیا گیا ہے۔رپورٹ کے مطابق

"بے روزگاری کی شرح ۲۰۰۰ء میں ۸,۹۸فیصد تھی جو کہ بڑھ کر ۲۰۰۲ء میں ۱۰,۱۷فیصد تک پہنچ گئی۔ پھر ۲۰۰۵ء میں یہ شرح ۱۱,۲٤ فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ اور یہ شرح ۲۰۱۰ء میں ۲۳,٦ فیصد تک پہنچ گئی تھی"۔[11]

اس رپورٹ میں واضح طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بے روزگاری میں ہر گزرتے سال بہت زیادہ اضافہ دیکھنے کو ملا اور حکومت اس پر کنٹرول کرنے میں ناکام دکھائی دے رہی تھی۔ یہ تو مرد بے روزگاروں کی شرح تھی۔ بے روزگار عورتوں کی شرح اس سے کہیں زیادہ ہے۔

" ۲۰۰۰ء میں بے روزگار عورتوں کی شرح ۲۲,۷۳ فیصدتھی جو کہ بڑھ کر ۲۰۰۵ء میں ۲۵,۰۹ فیصدتک پہنچ چکی تھی۔ اور ۲۰۱۰ء میں یہ شرح ۳۳,۰٦ فیصدتک پہنچ گئی تھی۔" [12]

اس سے معلوم ہوا کہ حسنی مبارک کی حکومت مسلسل بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح پر قابو پانے میں ناکام ہو گئی تھی۔ اور یہی ناکامی مبارک حکومت کے خاتمے کا ایک اہم سبب بھی بنی کیونکہ انقلابی تحریک میں اہم

کردار بے روزگار نوجوانوں کا تھا۔ جو کہ انقلابی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

لیبیا میں بے روزگاری

حالیہ عرب بحران کے متاثرہ ممالک میں سے ایک لیبیا بھی ہے۔ لیبیا کی تحریک کے اسباب میں سے ایک بڑی سبب بڑھتی ہوئی بے روزگاری تھی۔ دیگر متاثرہ ممالک کی طرح لیبیا کے صدر معمر قذافی بھی اپنے عوام کا اعتماد کھو چکا تھا۔ لیبیا تیل کے دولت سے مالا مال ملک ہے۔ لیکن معمر قذافی حکومت کی چند غلط پالیسیوں کے بدولت ملک میں بے روزگاری میں اضافہ ہونے لگا، اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے روک تھام کے لیے قذافی حکومت کے اقدامات مؤثر ثابت نہیں ہو رہے تھے۔ بے روزگاری میں اضافہ قذافی حکومت کے خلاف عوامی غم و غصہ میں اضافہ کا سبب بن رہا تھا۔ خاص کر نوجوان بے روزگاروں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی اور ان نوجوان بے روزگاروں میں بہت بڑی تعداد کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے لوگوں کی بھی تھی۔ اور ان کی شرح میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سرکاری کمپنیوں سے خسارے کے بہانے سے لوگوں کو نوکریوں سے نکالا جاتا تھا اور سرکاری طور پر نئی نوکریاں مہیا نہیں کی جا رہی تھی۔ لوگوں کو کام مہیا کرنے کے لیے کوئی قابل قدر اقدامات نہیں اٹھائے جا رہے تھے۔ نوجوانوں میں مایوسی بڑھ رہی تھی اور انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔ لیبیا کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے "عرب سپرنگ" کو لیبیا میں قدم جمانے میں مدد دی تھی۔ اگر بے روزگاری پر بروقت قابو پایا جاتا تو شاید "عرب سپرنگ"یہاں جڑیں نہ پکڑ پاتی۔ اسی سلسلے میں فوکس نیوز نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں واضح انداز میں یہ کہا گیا ہے کہ لیبیا کے انقلاب میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:

> "ممکنہ قیمتوں کے بڑھاؤ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ملک خود کار نہیں رہ سکا اور ملک مشکل معاشی حالات سے دوچار رہا۔ ملکی معیشت کو مستحکم کرنے کے لیے حالیہ حکومتی اقدامات کچھ سرکاری کمپنیوں کو پرائیویٹائز کیا گیا۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا مسئلہ نے عرب سپرنگ کو لیبیا میں پنجے گاڑنے میں مدد دی۔"(13)

اس سے معلوم ہورہا ہے کہ بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے لیبیا میں انقلابی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

شام میں بے روزگاری

بشار الاسد کے اقتدار کے سائے میں شام میں بے روزگاری کی شرح تقریباً ہر سال بڑھتی رہی ہے۔ اگرچہ صدر بشار الاسد نے اپنے اقتدار کو طوالت بخشنے کے لیے بے روزگاری کے روک تھام کے لیے کچھ اقدامات اٹھائے لیکن وہ دیرپا ثابت نہ ہو سکے۔ ہر گزرتے سال کے ساتھ شام کی بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوتا رہا۔ بڑھتی ہوئی بے روزگاری حکومتی نا اہلی کو عیاں کر رہی تھی۔ حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے لیے عملی طور پر کچھ کرتی دکھائی دے نہیں رہی تھی۔ عوام کا حکومت پر اعتماد ہر گزرتے وقت کے ساتھ کم ہو تا جا رہا تھا۔ اورشامی حکومت عوامی اعتماد حاصل کرنے کے لیے کوئی قابل قدر اقدامات نہیں کر پا رہی تھی۔ ادھر شامی عوام میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی وجہ سے تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ تو دوسری طرف چند عرب ملکوں میں عرب بہار کے نام سے انقلاب کے لیے عوامی بغاوت عروج پر تھی اور کئی سالوں سے اقتدار کے مزے لینے والے آمروں کااقتدار زوال پذیر ہو رہا تھا اور یہ انقلاب بڑی تیزی سے دیگرملکوں تک پھیلتا جا رہا تھا۔ ادھر شامی عوام بے روزگاری کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل کی وجہ سے بشار الاسد کی حکومت سے نالاں تھے۔ ایسے میں یہ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ شام میں بھی تبدیلی کے لیے جو کچھ بھی ضروری ہوتا تھا وہ سب یہاں موجود تھا، مطلب یہ کہ کوئی بھی تبدیلی بڑی آسانی سے عوامی حمایت حاصل کرسکتی تھی کیونکہ عوام موجودہ حکومت سے تنگ آ چکے تھے۔ ایسے میں عرب بہار کو عوامی حمایت حاصل ہونا کوئی ناگہانی بات نہیں تھی۔ اوردیکھتے ہی دیکھتے عرب بہار شام کی سرحدوں کو بھی پار کر کے شام میں داخل ہو گئی ۔ بے روزگاری پر قابو پانے میں حکومتی ناکامی پر سیرین اکنامکس فورم نے ایک رپورٹ شائع کی تھی رپورٹ میں کہا گیا تھاکہ:

> ”جب شامی حکومت کو ا س بات کا اندازہ ہوا کہ بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح شامی معیشت کو تباہ کر کے رکھ دے گی،حکومت یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے--- اسی سلسلے میں ”یوتھ امپلائمنٹ“کے نام سے ایک منصوبہ شروع کیا جس کا مقصد

پچیس ہزار نوجوانوں کو نوکریاں فراہم کرنا تھا لیکن بہت جلد یہ واضح ہو گیا تھا کہ یہ منصوبہ مکمل ناکام تھا۔ شامی معیشت کو بہت مشکلات درپیش تھیں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح ان سب میں سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ مشکلات پر قابو پاکر ان کا حل تلاش کرنانامکن دکھائی دے رہا ہے۔"(14)

اس رپورٹ کی روشنی میں یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شامی حکومت بے روزگاری کی روک تھام کو روکنے میں ناکام رہی تھی اور اس کی شرح مسلسل بڑھ رہی تھی۔ اور حکومتی اقدمات ناکافی تھے۔ اگرچہ حکومت کو بھی یہ اندازہ تھا کہ بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح ملکی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے لیکن اس کے باوجود اس پر قابو پانا حکومت کی بس میں نہیں تھا جسکا نتیجہ عرب بہار کی شام آمد کی صور ت میں ہوا۔

۳۔ کرپشن میں اضافہ

کرپشن کو اردو زبان میں بدعنوانی کہا جاتا ہے۔ یوں تو بدعنوانی ایک موضوع ہےلیکن یہاں پر بدعنوانی سےمراد "سیاسی بدعنوانی"ہے۔ سیاسی بدعنوانی سےمرادیہ ہےکہ ذاتی فوائد کے لیےحکومت کےاہلکاروں کا طاقت کاغلط استعمال کرنا۔ کرپشن مختلف صورتونمیں ہوسکتی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

معمولی کرپشن

یہ کرپشن چھوٹے پیمانےپراورحکومت کےقائم سماجی فریم ورک کےاندر اندر ہوتی ہے، مثلا نامناسب تحائف،ذاتی تعلقات کےاستعمال کےحق کوحاصل کرنے کےلیے تبادلے شامل ہیں۔ بدعنوانی کی یہ قسم خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں یکساں پائی جاتی ہیں۔

بڑی کرپشن

یہ بد عنوانی اعلیٰ ترین حکومتی سطح پر ہوتی ہے ۔ا یسی بدعنوانی ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہوتی ہے۔ اس طرح کی بدعنوانی خاص طور پر آمرانہ طرز حکومتیں پائی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی یہ ان ممالک میں بھی پایا جاتی ہے جہانکرپشن کے روک تھام کے لیے مناسب اقدامات نہیں کئے جاتے ہیں۔ جن ملکوں میں سرکاری نظام عدلیہ، انتظامیہ اورمقننہ پرمشتمل ہوتا ہے وہاں اس طرح کی کرپشن بہت کم ہوتی ہے، کیونکہ یہ ادارےآزاد ہوتے ہیں۔

اور جہاں پر یہ ادارے آزاد نہ ہوں وہاں پھر اس طرح کی بدعنوانی پائی جائے گی۔

منظم کرپشن

یہ بدعنوانی عام طور پر ادارےکی کمزور یوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یہ بدعنوانی ملازمین انفرادی حیثیت سے کرتے ہیں یا پھر ادارےمیں گھسے چند بدعنوان ایجنٹ انجام دیتے ہیں۔ جن ذرائع کی وجہ سے اس بدعنوانی کو فروغ ملتا ہے ان میں اجارہ داری، صوابدیدی اختیارات، شفافیت کی کمی، احتساب کا خوب نہ ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ اس جیسے نظام میں رشوت، بھتہ خوری، ڈاکہ زنی وغیرہ عام ہو جاتے ہیں۔ یہ تو کرپشن کا مختصر تعارف تھا کہ کرپشن کیا چیز ہے اور کس طرح یہ عمل میں لائی جاتی ہے۔ اب ان ممالک میں بڑھتی ہوئی کرپشن کا ذکر ہو گا جہاں پر عرب بہار یا عرب انقلاب رونما ہوا۔

زین العابدین بن علی کی کرپشن

زین العابدین بن علی نے تیونس پرتقریباً تئیس سال تک حکومت کی۔ اس کے اقتدار کے سایہ تلے کرپشن کو پروان چڑھایا گیا۔ زین العابدین اور اس کے خاندان کے افراد پر کرپشن کے الزامات لگائے گئے۔ صدر زین العابدین بن علی اور اس کا خاندان"مافیا" کہلاتا تھا۔ لالچ، کرپشن اور ظلم اس کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ تیونس کے لاکھوں لوگوں نے تئیس سالہ حکمرانی کے اختتام پر جشن منایا۔ اگر زین العابدین اپنے رعایا کےحقوق کا خیال رکھتے تو شاید اسے یہ دن دیکھنا نہ پرتا۔ کہا جاتا ہے کہ زین العابدین بن علی کی اصل طاقت اور دولت اس کی بیوی لیلیٰ کے پاس تھی۔ زین العابدین اپنی بیوی کی ناراضگی مول نہیں سکتا تھا۔ وہ جیسا کہتی ،تیونسی صدر کے پاس کوئی دوسرا آپشن موجود نہیں ہوتا تھا۔ یہ عرب کے ایک تجزیہ کار "سعد جبار" کا کہنا ہے۔ صدر زین العابدین بن علی کی بیوی لیلیٰ ایک فیشن ڈیزائنر تھیں اور وہ خود کو دنیا کی سب سے خوبصورت اور فیشن ایبل خاتون کے طور پر منوانا چاہتی تھی۔

وکی لیکس کا انکشاف

تیونس کےصدر زین العابدین بن علی کی کرپشن کےحوالے سے وکی لیکس نے ایک رپورٹ شائع کی تھی جس کے مطابق تیونس میں کرپشن کی انتہاء ہو چکی تھی جس میں صدر زین العابدین بن علی اور اس کے خاندان نے مختلف صورتوں میں کرپشن کی مثلاً کاروبار ، زمین کی خریدوفروخت درآمدات اور

برآمدات میں نیز یہ کہ زین العابدین کے خاندان نے تیونس میں نئی سرمایہ کاری کو فروغ نہ دیا اورپرانی سرمایہ کاری کےریٹس کم رکھےجس سے بے روزگاری میں اضافہ ہوا اور مزید یہ کہ اس حکومت میں احتساب کا کوئی طریقہ کار موجود نہیں تھا۔

یہ رپورٹ تیونس میں امریکی سفیر رابرٹ ایف گوڈک نے ۲۰۰۸ء میں امریکہ کو خفیہ مراسلے میں ارسال کی جسے وکی لیکس نے ۲۰۱۰ء میں لیک کیا تھا۔ رپورٹ یہ ہے کہ:

> "ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی سالانہ سروےاورسفارت خانے کے رابطوں، مشاہدے کے مطابق، تیونس میں کرپشن بگڑتی جارہی ہے۔ یہ نقدرقم،خدمات،زمین،جائیداد، یہاں تک کی آپ کی کشتی میں بھی کرپشن ہے۔صدر بن علی کا خاندان لالچی ہے اور یہ خاندان جو چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔ خاندان اول کے مشکوک معاملات کی کہانیوں کےاثرات تیونس کے پولیس کسٹم اور سرکاری وزارتوں تک بھی منتقل ہوئے۔ "خاندان"کے طویل بازو کے ڈر سے، نئی سرمایہ کاری پر پابندی اور ملکی سرمایہ کاری کی کم ریٹ مقرر کر کے بے روزگاری کا سلسلہ جاری رکھا اور اس میں اضافہ ہوا۔ کرپشن کی یہ افواہیں اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے جنوبی تیونس میں حالیہ مظاہروں میں ایندھن کا کام کیا ہے۔ اورمزید یہ کہ ملک میں احتساب کے لیے کوئی طریقہ کار موجود نہیں۔"(15)

معمر قذافی کی کرپشن

معمر قذافی خود بھی بدعنوانی میں ملوث تھا۔ وہ سرکاری ٹھیکوں اور دیگر ذرائع سے آمدنی وصول کر رہا تھا۔ معمر قذافی اور اس کے خاندان کے بینک اکاؤنٹ دنیا بھر میں تھے۔ حال ہی میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ جنوبی افریقہ میں معمر قذافی کے تقریباً ایک بلین ڈالرز ہیں۔ اور لیبیا کی حکومت ان اثاثوں کو واپس لانے کی کوششوں میں مصروف عمل ہے۔ اسی طرح دیگرممالک میں بھی معمر قذافی کے اثاثے موجود ہیں جن کی تعداد تقریبا دس بلین ڈالرز ہیں۔لیبیا کے حکومتی عہدیداروں کا کہنا ہے کہ ابھی تو یقینی طو ر پر یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ معمرقذافی کے اصل اثاثوں کی تعداد کتنی ہے۔ دس بلین ڈالرز تو وہی ہیں جن کے بار ے میں ہمیں علم ہوا ہے اور جو خفیہ اثاثے ہیں

وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔نیو یارک ٹائمز نے ایک رپورٹ پیش کی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہےکہ معمر قذافی کے اثاثے کتنے ہیں اور کہاں کہاں اس کے اثاثے موجود ہو سکتے ہیں۔

> "جوں ہی لیبیا میں معمر قذافی کے خلاف انقلابی تحریک شروع ہوئی بیرون ممالک کے بینکوں نے معمر قذافی اور اس کے خاندان کے اثاثے منجمد کرنے شروع کئے جن میں کئی بلین ڈالرز تھے بہت ساری رقم ایسی ہے جس کو سامنے لاناآسان کام نہیں ہے، لیبیا کے تحقیقات کاروں کے مطابق انہوں نے کھربوں سے بھی زیادہ رقم کی کھوج لگا لی ہے۔جو سوئس بینکوں میں پڑی ہے جس کو کبھی بھی منجمدنہیں کیا جا سکتا ہے۔"(16)

معلوم ہوا کہ معمر قذافی کی رقم جو معلو م ہو چکی ہے اور جس کی تصدیق کی جا چکی ہے سرکاری سطح پر وہ اربوں ڈالرز سے بھی زیادہ ہیں۔ اور ابھی سرکاری عہدیدار مزید کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ معمر قذافی کے خفیہ رقم کے ٹھکانوں کا سراغ لگا سکے۔

حسنی مبارک کی بدعنوانی

حسنی مبارک ۱۱فروری ۲۰۱۱ء تک دنیا کےچندبڑےحکمرانونمیں شمار ہوتے تھے۔ دنیامیں اس وقت چھتیس امیرترین حکمران تھےان حکمرانوں کی دولت ملٹی نیشنل کمپنیوں کےاثاثوں سےزیادہ ہے۔حسنی مبارک اس فہرست میں معمر قذاتی کے بعددوسرے نمبر پر تھے۔

"ماہنامہ اخبار العرب" نےحسنی مبارک کی اثاثوں کے حوالے سے ایک مفصل رپورٹ شائع کی ہے۔ رپورٹ کچھ یوں ہے:۔

> "حسنی مبارک کے پاس ستر بلین ڈالرز تھے یہ کتنی بڑی رقم ہے آپ اس کا اندازہ پاکستان سے لگا لیجیئے، پاکستان میں اٹھارہ کروڑ لوگ بستے ہیں۔ ان اٹھارہ کروڑ لوگوں کا ٹوٹل بجٹ بیس بلین ڈالر ز ہوتا ہے۔ ہمارے کل قرضے پچپن بلین ڈالرز ہیں اور اگر ہم یہ قرضے ادا کر دیں تو ہم مکمل طور پر آزاد ہو جائیں اور ہمارے بجٹ کا نصف حصہ ترقیاتی کاموں پر خرچ ہونے لگے جبکہ ہمارے مقابلے میں حسنی مبارک اکیلے ستر بلین ڈالر کے مالک ہیں۔ حسنی مبارک نے یہ رقم مصر سے کمائی تھی۔ یہ جوانی میں ائیر فورس کے ایک عام افسر تھے۔ ١٤ اکتوبر ١٩٨١ء کو یہ مصر کے حکمران بنے اس

کے بعد اس نے یورپ اور اسرائیل کے آگے سرتسلیم خم کر لیا ۔اس اطاعت اور فرماں برداری کے نتیجے میں ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کا خوب موقع ملا، یہ امریکہ اور یورپ سے ملنی والی امداد پر بھی ہاتھ صاف کرتا۔ یہ عالمی بینکوں اور عالمی مالیاتی اداروں سے ملنے والے قرضے بھی کھاتے رہے۔انہوں نے دفاعی سودوں سے بھی جی بھر کے کمایا اس نے بے شمار جعلی کمپنیاں بنائی یہ کمپنیاں سرکاری ٹھیکے لے کرمال بناتی رہیں۔ اس نے مصر میں شہر آباد کئے اور ان شہروں کی آڑ میں رقمیں کھائیں۔ یہ بے نام زمینوں پر بھی قبضے کرتے رہے۔ یہ سرکاری خزانے سے بھی حصہ وصول کرتے رہے۔ اس نے ملک میں کلب اور قحبہ خانے بنوائے،فحاشی کے ان اڈوں کا مخصوص حصہ ان کے اکاؤنٹس میں جمع ہوتا رہا۔ یہ پارٹی کے نام پر ملک کے امیر لوگوں سے چندہ وصول کرتا رہا۔ یہ اپنی وفاداری عالمی مارکیٹ میں فروخت کر کے قیمت وصول کرتا رہا اور یہ کام یہ اکیلے نہیں کرتا تھا۔ ان کا خاندان اس بزنس میں ان کا حصہ دار تھا۔ ان کے دو بیٹے جمال مبارک اور علاء مبارک، ان کی اہلیہ سوزان مبارک اور ان کی سیاسی جماعت نیشنل ڈیمو کریٹک پارٹی اور اس کے سیکرٹری جنرل صفوت الشریف بھی ان دھندوں میں شریک تھے۔ صفوت الشریف حسنی مبارک کے صاحبزادوں اور انکی اہلیہ سوزان مبارک کو ملک میں بادشاہوں جیسے اختیارات حاصل تھے۔ صفوت الشریف فوج کی پوری ڈویژن کو میدان میں اترنے کا حکم دے سکتے تھے۔ اور ان کے حکم پر کسی کو انکار کی مجال نہ تھی، جبکہ خاتون اول سوزان مبارک اور جمال اور علاء کسی کو بھی سرکاری عہدے سے ہٹا سکتے تھے۔ اور اس کی جگہ اپنے کسی بھی منظور نظر کو تعینات کر سکتے تھے اور پورے ملک میں کوئی بھی اتھارٹی ان کے احکامات کو چیلنج نہیں کر سکتی تھی۔ حسنی مبارک کی دولت پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، یہ لندن میں محلات، شاپنگ سنٹروں، پلازوں اور اپارٹ منٹس کے مالک تھے۔ اس کے اکاؤنٹ سوئس بینکوں میں تھے، اور یہ پیرس،فرینکفرٹ، دمشق اور کوریا میں بھی جائیدادوں کے مالک تھے، ان کی پراپرٹیز کا کرایہ ایک سو پچاس ملین ڈالرز آتا تھا۔"(17)

شام میں کرپشن

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے شام میں بڑھتی ہوئی کرپشن کے حوالے سے ایک مفصل رپورٹ جاری کی ہے۔ جس میں واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح شام میں کرپشن نے پنجے گاڑھے۔ اور کرپشن کن اداروں اور جگہوں تک پہنچ چکی ہے۔ ساتھ ہی بڑھتی ہوئی کرپشن پر تشویش کا اظہار بھی کیا تھا۔ اور حکومت کو خبردار کیا تھا کہ اس پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ رپورٹ سے کچھ اقتباس درج ذیل ہے:۔

> "کرپشن تجارت کے تمام درجوں میں پہنچ چکی تھی اعلیٰ سطح سےہوکرنچلی سطح تک۔الزام لگایا جارہاتھاکہ انتہائی بدعنوان درجے کےلوگ ان پر پچھلےتیس سالوں سے حکومت کررہے ہیں۔ اور تجارت کے تمام درجوں کوقابو میں رکھنےکےلیےبدعنوان نظام کوتحفظ فراہم کیاجارہاہے۔ بدعنوان لوگ خوب جانے پہچانے تھے یہاں تک کہ عام شامی آدمی آسانی سے پچاس کرپٹ ترین افراد کی لسٹ بناسکتا تھا۔بدعنوان طبقہ کے پاس اثر و رسوخ بھی ہوتا تھا اور حکومت میں بھی ان کی طاقت ہوتی تھی۔ اور جو زیادہ طاقتور ہوتا (بدعنوانی میں)وہ بشار الاسد کے قریبی ساتھی ہوتا۔"[18]

معلوم ہورہا ہےکہ حکومتی سطح پر کرپشن کوروکنےکےبجائے اسے تحفظ فراہم کیاجارہاتھا۔اگرحکومت چاہتی توبدعنوان طبقہ کولگام لگا سکتی تھی لیکن چونکہ اس میں حکمرانوں کا ذاتی مفادتھااس لیےانہیں کھلی آزادی حاصل تھی۔

بشار الاسد کے اثاثے

بی بی سی نیوز کے رپورٹ کے مطابق شام کے صدر بشار الاسد کی اثاثے بلین ڈالرز میں ہیں جو اس نے شام سے کمائے ہیں۔ بیرون ممالک پراپرٹی،محلات اورشاپنگ سنٹرز کا مالک ہے۔ اس کی جائیداد پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔حسنی مبارک،معمر قذافی کی طرح یہ بھی امیر ترین حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں۔باقی تینوں تو اپنے انجام کو پہنچ گئے لیکن بشار الاسد کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ بحرحال بی بی سی رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ بشار الاسد کے اثاثے کتنے ہیں۔اورکس صورت میں اس کے پاس اثاثے ہیں؟ رپورٹ یہ ہے:۔

" ۔ اسد کے متعین کردہ اثاثے ۱,۵ بلین ڈالر ز کے لگ بھگ ہیں۔ شام کے اندر جو اثاثے ہیں اسداور اس کے خاندان کوبھی شامل کیا جائے تو یہ اثاثے تقریبا ۱۲۲ بلین ڈالر تک پہنچ جاتے ہیں۔اسد اپنے دوستوں میں کارڈز، رقم اور مضبوط پوزیشن رکھنے والا شخص شمار ہوتا تھا۔"[19]

اسلامی دنیا پر اثرات

۱۔ فرقہ واریت کا خطرہ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ"عرب بحران" کی تحریکیں مسلح گروپ کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔تشدد کا راستہ اختیار کر رہی ہیں۔ بادی النظر میں یہ تحریکیں اب پر امن نہیں رہیں۔ مصر میں بم دھماکے ہوں یا لیبیا میں اور شام کی جنگ تو اب واضح صورت اختیارکر چکی ہے اور یہ جنگ فرقہ واریت کا روپ اختیار کر چکی ہے۔ حالیہ عرب تحریکوں کے نتیجے میں اکثر مسلم ممالک میں فرقہ واریت میں تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ FRIDEکے سینئیر،ریسرچر اپنے آرٹیکل میں اس کی طرف واضح طور پر اشارہ کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

> "عرب بحران نے فرقہ واریت کو عرب دنیا میں پھیلانے میں ایک کردار ادا کیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے خیالات جمہوریت کی طرف راغب نہ ہو سکیں۔ فرقہ واریت سے پھیلنے والے اس عذاب نے در حقیقت اس رجحان کا خاتمہ کر دیا ہے۔"(20)

فرقہ واریت میں اضافہ پر بی بی سی رپورٹ

بی بی سی کے رپورٹر جرمی بوون نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں رپورٹ کیا گیا کہ"عرب سپرنگ" کے بعد فرقہ واریت کتنی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

> "نہایت ہی اہم ایشو میں سے ایک یہ ہے کہ"عرب بحران"کے بعد خلیجی ممالک میں شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان بڑھتی ہوئی مذہبی تقسیم ہے۔ جس کی واضح گواہی عراق، بحرین، لبنان اور اس جیسے دیگر ممالک کی متشدد صورتحال ہے جس نے شیعہ اور سنی مسلمانوں کو اسلام کے دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔"(21)

اردن کے بادشاہ عبداللہ دوم کا خدشہ

اردن کے بادشاہ عبداللہ دوم نے اشارہ کیا ہے۔ اور اسلامی دنیا کو وارننگ دی ہے کہ اگر فرقہ واریت یوں ہی چلتی رہی تو اسلامی دنیا تباہ ہو جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> "نسلی اور فرقہ وارانہ تشدد جو کہ کئی عرب ممالک میں پھیل رہا ہے،مسلم دنیا کی تباہی کی قیادت کرسکتا ہے۔"(22)

اس تمام صورت حال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ"عرب بحران" کے بعد فرقہ واریت مزید پھیلتی جا رہی ہے۔ جس کی وجہ سے اسلامی دنیا کو جانی اور مالی دونوں طرح کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔

جامعہ الازہر کے امام کی رائے

مصر کی جامعہ الازہر کے امام احمد الطیب جو کہ مسلمانوں میں ایک قابل قدر شخصیت مانی جاتی ہے انہوں نے نجی ٹیلی ویژن کو اپنے تازہ ترین انٹرویو میں عرب بہار کے حوالے سے جو کہا اس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

> "عرب بحران مسلمان ملکوں کو تقسیم اور تباہ کرنے کا مغربی سازش کا حصہ ہے۔ جس کا مقصد عام لوگوں کو اس بات پر ابھارنا ہے کہ وہ اسلامی سویلین کے ساتھ لڑیں۔"

جامعہ الازہر کے امام کا مزید کہنا تھا کہ:

> "اگر یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا تو امت مسلمہ بکھر جائے گی۔ مسلمان ہی مسلمان کا خون بہا رہا ہے، جلد سے جلد اس سلسلے کو روکنا ہو گا۔ اور اس کے پیچھے جو سازش امریکہ اور اس کے حواریوں نے کی ہے اس کو سمجھنا ہو گا۔"

موجودہ صورت حال میں علماء اور حکمران دونون کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ اور انہیں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے عملی طور پر میدان میں آنا ہو گا۔ اور اپنا کردار ادا کرنا ہو گا۔ اسی انٹرویو میں مزید کہا کہ:

> "تمام شدت پسند تحریکوں کو تشدد سے گریز کرنا ہو گا اور ساتھ ہی بشار الاسد پر بھی زور دیا کہ وہ معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیلنا چھوڑ دے اور پر امن طریقے سے اپنے معاملات حل کریں۔"[23]

اس سے اس بات کو تقویت مل رہی ہے کہ"عرب بحران" کے بعد مسلمان اتحاد مزید خطرات سے دوچارہوتا جا رہا ہے۔ اسی عرب بہار کی وجہ سے مسلمان ممالک کے آپس کے تعلقات بھی کشیدہ ہو تے جا رہے ہیں حالانکہ اتحاد امت مسلمہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب "مسلمان ممالک" ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں۔ لیکن زمانہ قریب میں ایسا ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ عراق آئے روز سعودی عرب پر مداخلت کے الزامات لگا رہا ہے۔ شام کی اپوزیشن کی طرف سے ایران اور لبنان پر مداخلت کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان میں جب بھی فرقہ وارانہ صورتحال سامنے آتی ہے تو لوگوں کی انگلیاں سعودی عرب اور ایران کی طرف اٹھتی ہیں ایسے میں اتحاد امت کیونکر ممکن ہے؟

شامی صدر بشار الاسد آئے روز سعودی عرب اورقطر پر مداخلت کے الزامات لگا رہا ہے اور عراق کے وزیر اعظم نوری المالکی نے کئی دفعہ براہ راست سعودی عرب پر عراق میں داعش کی حمایت کا الزام لگا یا ہے۔ حالیہ عرب تحریکوں کے نتیجے میں عرب ممالک خود ہی ایک پیج پر دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ جس کی تازہ مثال قطر اور سعودی عرب کی تعلقات ہیں۔ جس میں پہلی دفعہ دراڑ پڑتی دکھائی دے رہی ہے۔ اتحاد امت مسلمہکے خاطر مسلم

حکمرانوں کو وسیع تر مسلم مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کرنے ہونگے نہ کہ مسلک اور نسل کی بنیاد پر۔ مسلمان حکمرانوں کو اپنی ذاتی عناد کو چھوڑ کر مسلم اتحاد کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کہ اتحاد امت مسلمہ کے لیے بنیادی شرط ہے۔

دہشت گردی میں اضافہ کا خطرہ

بی بی سی کے ایک رپورٹ کے مطابق عالمی منظر پر دہشت گردی میں عرب بہار کے بعد بہت اضافہ دیکھنے میں آیا اور اس میں بتدریج اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے رپورٹ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

> "ابتدائی مرحلے میں عرب بہار نے لوگوں میں ایک جوش اور ولولہ پیدا کیا تھا اور عوام اپنے حقوق جان چکے تھے اور وہ پر امن طریقے سے اپنے حقوق کے حصول کے لیے سڑکوں پر نکلے تھے اور اپنا احتجاج ریکارڈ کروا رہے تھے۔ لیکن پھر اچانک ان تحریکوں میں تشدد کی آمیزش آئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے عرب ملکوں کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ اب صورت حال یہ بنی ہے کہ تشدد کے بغیر پر امن طریقے سے اپنے حقوق لینے کی سوچ ختم ہوتی جا رہی ہے۔اور یوں لگ رہا ہے کہ یہ دہشت اور خوف پوری دنیا میں بڑی تیزی سے سرایت کر رہاہے۔اگر بروقت اقدامات نہ اٹھائے گئے تو پھر دہشت گردی کی یہ لہر پر امن ممالک کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔"(24)

رپورٹ میں دوٹوک الفاظ میں کہا گیا ہے کہ"عرب بحران" کے بعد دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور یہ اضافہ پوری دنیا تک پھیل سکتا ہے۔ اسی طرح اس رپورٹ کے آخر میں کہا گیا کہ:

> "غیر مسلح افراد کا بڑھتا ہوا احتجاج جو کہ ظالم حکمرانوں کے خلاف تھا اب سول وار اور فرقہ واریت کے فساد میں تبدیل ہو رہا ہے۔"

***

References:

[1]-The New York Times report, A Gup is reported in Tunisia, (The New York Times associated press, 7 Nov, 1987**,** www.nytimes.com

[2]- Dikovick, J. Tyler, The world today series, Africa, Striker post, Lanham, Marland. Aug, 2012. ISBN 13-978-161088815

[3]- Kawczynski: Daniel, seeking Gaddafi: Libya, The west and the Arab Spring, P: 18, Published, Biteback Publishing, London, 2011

[4-] Human rights watch, overview of human rights issues in egypt, 2 Feb, 2013, www.hrw.org/world-report 2013: Egypt
[5-] Egypt crisis, president Hosni Mubarak resigns as leader, BBC News, 12 Feb, 2011, www.bbc.com/news
[6-] Syria: world war ii and independence," Britannica online encyclopedia, www.brittanica.com/place/Syria
[7]- Syrian army tanks moving towards hama: BBC News, 5 May, 2011.
[8-] World War:. International Labour organization, 2012, http//libguides.ilo.org.com.
[9-] Tony Tsai, understanding unemployment in Tunisia, understanding conflict, page: 7-9, Johns Hopkins University school for advanced International Studies, 2012,
[10-] The long term economic challenges Egypt must overcome, Maket palace, February 1, 2011
[11-] Nagwa Mosad El-Agrody, economic study of unemployment in Egypt," Department of Agricultural economy, National research center, Cairo, Egypt, 2010
[12] ۔ ایضاً
[13-] Libya's unsustainable economic system," Fox new, 12 Feb, 2012. www.foxnews.com
[14()]- Syrian economic forum, 19th June,2014 www.syrianef.org
[15-] Pierte Tristan, WikiLeaks Cable. Tunisian Corruption and president Zine el-Abidine Ben Ali, 2010. www.wikileaks.org/gifiles/docs/18/1858718.tusisia.
[16-] The Dictator Dough, report on daily mail, March 2, 2011 www.dailymail.co.uk.
[-17()] محمد حسن، ماہنامہ اخبار العرب، ص: ۳۷، نومبر ۲۰۱۳ء ، لاہور، پاکستان
[18-] Syria corruption and Government transparency, International Transparency, 20 - March, 2010, www.globalsecurity.org.milatry/world/Syria.
[19-] Syria: Hunting for president Asad Assets , Frank Gardner and James Longman, 19 July, 2012
[20-] Mikail Barah, Religion and Politics in Arab Transition, P FRIDE Policy Brief
[21-] Jermy Bowen, Surge in Arab Sectarian Violence After Arab Uprising BBC news, 20 September, 2013
[22-] Sectarian violence could Destroy the Muslim World" Posted, 21 Aug, 2013, Huffington post, UK.
[23-] Arial bin Sulaiman, the Jerusalem post 31 May 2014.
[24-] "Arab Spring 10 unpredicted outcomes, BBC News 13 Dec 2013.